Advertisement at Urdu Palace

Are you looking for an affordable website to advertise your business?
Urdu Palace offers lowest rates for all advertisers.
For Advertisement of your brand or business on our website call us or contact through

Whatsapp on following numbers:+92-348-8709449,+92-303-5110135

سب کے جانے کا وقت، چند منٹوں کے فرق سے تقریباً" یہی تھا، ان کے ہاتھ گھڑی کی سیکنڈ کی سوئی کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہے تھے۔ جلدی جلدی پراٹھا بیل کر انہوں نے توے پہ ڈالا۔

"امی! جلدی کریں لیٹ ہو رہا ہوں۔" فیض احمد عرف فیضی کلائی پر گھڑی باندھتا ہوا آیا اور ان کے سر پہ کھڑا ہو گیا۔

"سالن گرم ہے تو دے دیں۔" وہ ماں سے بھی زیادہ جلدی دکھا رہا تھا۔

"افوہ، فیضی! باہر چل کر بیٹھو، اتنی گرمی میں میرے سر پہ کیوں کھڑے ہو گئے۔ لا رہی ہوں ناشتہ۔" پسینے چسکے لینے کھڑے ہو گئے۔

"وہ نواب نہیں تھے، صاحب حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔" دادا نے تصحیح کی۔

"ایک ہی بات ہے، نواب بھی تو صاحب حیثیت ہوتے ہیں۔" پوتا جم کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مگر ہر صاحب حیثیت نواب نہیں ہوتا۔" دادا جان نے نکتہ نکالا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" حیرت انگیز طور پر فیضی نے بہت جلد ہتھیار ڈال دیے اور میز پر انگلیوں سے طبلہ بجاتے ہوئے اپنا تکیہ کلام بہ آواز بلند دہرایا۔

"امی! بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

نعیمہ ناز سلطان

پسینے چہرے کو چھوٹے سے تولیہ سے صاف کرتے ہوئے وہ جھنجلائیں۔

"بہو! تم نے ہی سر پہ بٹھایا ہوا ہے لاڈلے نواب کو، اب کہیں اور اٹھنے بیٹھنے کو جگہ ہی نہیں ملتی۔" دادا جان نے ہمیشہ کی طرح طنز کا پتھر پھینکا، مگر یہ پتھر بہو بیگم کے لیے نہیں بلکہ پوتے کے لیے تھا۔ جو ٹھک کر کے ٹھیک نشانے پر لگا۔

"جن کے نام پر آپ نے میرا نام رکھا ہے نا وہ بھی نواب تھے۔" فیضی باہر آ گیا، صبح صبح دادا جان سے دو دو ہاتھ کرنے، جن کی صبح ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے اس وقت جو چائے کی پیالی پی تھی اس کا ذائقہ بھی زبان سے ختم ہو چکا تھا، تب ہی تو نوک جھونک کے

"پھر وہی فضول تکرار، دس بار منع کیا ہے دم نکلنے اور جان نکلنے کی باتیں زبان سے نہ نکالا کرو، کوئی کوئی وقت قبولیت کا ہوتا ہے۔ اچھی باتیں زبان سے نکالنی چاہئیں۔"

امی نے ٹرے لا کر اس کے آگے رکھی خستہ، گرم تر پراٹھا اور رات کی بچی بھنی کلیجی کی پلیٹ، اسی سالن کی وجہ سے تو لاڈلے نے پراٹھا پکوایا تھا۔

"امی! ناشتہ تیار ہے؟" پریسا عرف پریا تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی تھی۔

"دس پندرہ منٹ پہلے اٹھ کر کم از کم اپنا ناشتہ ہی خود بنا لیا کرو، سب کے سب مل کر ماں کو ہلکان کیے دیتے ہیں، وہ بھی نوکری پر جاتی ہے۔ اس غریب کا بھی

کچھ ہاتھ بٹادیا کرو۔"

دادا اب کچھ عرصے سے ایسی ہی باتیں کرنے لگے تھے۔ پہلے جو طنز، طعنے اور تنقید بیٹے پہ ہوتی تھی وہ اب بیٹے کی اولاد پر ہونے لگی تھی اولاد ہی ایسی تھی کم بخت سارے کے سارے باپ پہ چلے گئے تھے، بے حس، خود غرض، نکمے نکٹھو، آخری دو اعزازات پر پریسا شدید اختلاف کرتی۔

"میں نکمی نہیں ہوں، جاب کرتی ہوں۔"

"ماں کے ہاتھ پہ کتنے پیسے رکھتی ہو؟" دادا دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیتے۔

"ارے واہ، اتنی محنت سے پیسے کمائے جاتے ہیں، آپ تو ایسے بول رہے ہیں جیسے میں درختوں سے نوٹ توڑ کر لاتی ہوں اور لاکر امی کے ہاتھ پہ رکھ دوں۔ امی کی طرح گورنمنٹ اسکول کی جاب نہیں ہے کہ جاکر آرام سے بیٹھے رہے، پڑھایا پڑھایا نہ پڑھایا نہ پڑھایا، پرائیویٹ اسکول وہ بھی اتنا نامی گرامی، کھال کھینچ لیتے ہیں۔ محنت کروا کروا کر خون خشک کردیتے ہیں پھر جاکر سیلری کا منہ دیکھنے کو ملتا ہے۔"

پریا چمک کر جواب دیتی، بولتی اور بولتی ہی چلی جاتی، اپنی محنت، مزید محنت، مشقت، مصیبت، ساری کہانیاں اسی وقت بیان کی جاتیں۔

"ماں کا بھی کوئی حق ہے یا نہیں؟" دادا کا فقط ایک سوال۔

"میں ان کے لیے پیسے دیتی ہوں، وہ سب گھر میں لگا دیتی ہیں۔ یہ خرچا وہ خرچا، یہ چیز، وہ چیز، گھر کے خرچے ہی ختم نہیں ہوتے۔"

پریا کی گوری رنگت بول بول کر گلاب سی ہوجاتی پتلے پتلے نازک سے ہونٹ بھینچ کر وہ اپنی صفائیاں پیش کرتی۔ مگر خیر یہ تماشے اور مناظر تو آئے دن کا معمول تھے۔ اس وقت تو ان کا اعتراض پریا کو برا ہی لگ رہا تھا، فوراً منہ بن گیا۔

"جلدی ہی اٹھتی ہوں، اب میں اپنی تیاریاں کروں یا کچن میں گھس جاؤں سب نہایا دھو ایک منٹ میں برابر ہوجائے۔"

نک سک سے تیار پریا علی الصبح نہائی دھوئی، استری شدہ لان کا پوسٹر سوٹ، مہنگا والا بالوں کو ڈرائی لگا کر خشک کرتی، تراشیدہ بالوں کے نت نئے اسٹائل بناتی، ہلکا پھلکا سا میک اپ، نازک سی جیولری، فینسی جوتا یا چپل، پرفیوم سے خود کو اور اردگرد کی فضا کو مہکائے، وہ بھلا کچن میں گھستی کام کرتی اچھی لگتی؟ اسے یہ سب سوٹ نہیں کرتا تھا۔

"کیا لوگی؟" امی نے تحمل سے اپنی پہلوٹھی کی اولاد کو دیکھا۔

وہ ہمیشہ سے ہی ان کی جان تھی سب سے پیاری تھی انہیں اس کی ہر خطا، ہر غلطی، ہر خود غرضی، ہر بے حسی وہ شاید اس کی پیدائش سے پہلے ہی معاف کرچکی تھیں۔ دادا برملا کہتے تھے۔

"مامتا بڑی بری شے ہے بہو بیگم! مگر اسے بری اولاد پہ ضائع نہ کرو۔" مگر کون ماں ہوتی ہے جو اولاد میں اچھائی برائی، خوبی خامی کا موازنہ کر کرکے محبت کرتی ہے؟ ماں کی محبت تو بارش کی طرح برستی رہتی ہے، کھیت کھلیان، باغ باغیچوں جیسی اولاد پر بھی اور بنجر زمین اور سخت چٹانوں جیسی اولاد پر بھی۔

اس کی محبت اس نفع نقصان سے بے نیاز ہوتی ہے کہ کون سی زمین فائدہ مند ہے اور کون سی زمین بے کار، تو گورنمنٹ اسکول میں پرائمری کی استانی عافیہ سکندر کچھ ایسی ہی ماں تھیں، ویسی ہی جیسی کہ عموماً مائیں ہوتی ہیں۔ اولاد کی تمام تر خامیوں اور برائیوں کو ایک طرف کرکے، صرف اور صرف ان سے محبت کرنے اور ان کا خیال رکھنے میں مگن۔

اور صرف ماں ہی کیوں، وہ تو بیوی بھی ایسی ہی تھیں، وفادار، وفاشعار، جاں نثار۔ کچھ عورتوں کا خمیر اللہ تعالیٰ نے ایسی مٹی سے اٹھایا ہے کہ محبت نام پر خود کو مٹا کر مٹی کرلیتی ہیں.... وہ بھی ان ہی میں سے ایک تھیں تب ہی تو ان کی بڑی آپا رافعہ مہر ٹیچر آف گورنمنٹ سیکنڈری اسکول اعظم آباد انہیں کبھی کبھی لتاڑتیں تو

یہی کہتیں۔ "اس فضول انسان اور اس کی فوٹو اسٹیٹ اولاد کے پیچھے تم نے خود کو خوار کر ڈالا' تباہ کر ڈالی اپنی محبت بھی اور جوانی بھی' اپنی صلاحیت اور توانائی بھی۔"

"وہ آج بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں آپا! شادی کو چھبیس سال ہو گئے۔ ہر سال انہیں شادی کی سالگرہ بھی یاد رہتی ہے اور میرے لیے پھول اور گجرے لانا بھی۔" عافیہ سکندر کی آنکھوں میں جگنو سے چمک اٹھتے' عمر اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی محبت کے دریا میں روانی اور طغیانی ہی آئی' کمی کبھی نہیں آئی۔

"پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان' کیسی محبت کہاں کی محبت' سب بے وقوف بنانے کے طریقے ہیں۔ سال میں ایک بار تمہاری ہی کمائی سے تمہیں ہار پھول پہنا کے تین الفاظ محبت کے بول دیے' ہو گئی رسم محبت پوری' باقی پورا سال گھر بیٹھے بیوی کی کمائی کھاتے رہو اور بزنس کے بوگس منصوبے بناتے رہو۔"

بڑی آپا چراغ پا ہو کر جو سنانا شروع کرتیں تو عافیہ کی ملتجیانہ خاموش نظریں بھی انہیں چپ کرانے میں ناکام ہو جاتیں۔ مگر بہرحال یہ تو ان کی آپا کی باتیں تھیں' جو ان سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ایک تو یہ محبت بھی کچھ عجیب ہی شے ہے' کہیں انسان اس کی وجہ سے کسی کو کڑوی کسیلی سنا دیتا ہے اور کہیں اس محبت کے نام پر ہی انسان کسی کی کڑوی کسیلی سن لیتا ہے۔

بات ہو رہی تھی صبح کے ناشتے کی تو امی جان نے پریا کے لیے دودھ کا گلاس اس کی فرمائش کے مطابق لا دیا۔ دو تین گھونٹ کیز اس نے حلق سے نیچے اتارے اور دودھ کا گلاس چڑھا گئی ابھی سنعیہ اور سونیا باقی تھیں۔ دونوں جڑواں تھیں مگر حیرت انگیز طور پر شکل عادات اور خصائل میں ایک دوسرے سے بے حد مختلف۔

سنعیہ اپنے والد محترم کی طرح تھی۔ ان ہی کی طرح صاف رنگت اور دل آویز ناک نقشہ اور ان ہی کی طرح بے حس' خود غرض اور کاہل' تھوڑی تھوڑی یہ تینوں خصوصیات باقی بہن بھائیوں میں بھی تھیں مگر سونیا سب سے تھوڑی سی الگ تھی۔

ماں کی طرح سانولی رنگت پہ بڑی بڑی سحر انگیز آنکھوں اور ان ہی کی طرح گھنے سلکی بالوں کی مالک سونیا' اس کا دل اپنی ماں کی طرح تھا۔ نرمی اور محبت سے گندھا ہوا' خلوص اور سادگی سے بھرا ہوا۔

تینوں بہن بھائی اسے بے وقوف سمجھتے بھی تھے اور کہتے بھی تھے۔ برملا کہتے تھے' ڈنکے کی چوٹ پر کہتے تھے۔ یہ سوچے بغیر کہ سننے والے کو کیسی چوٹ پہنچ رہی ہے اور سونیا حتی الامکان ماں کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی تھی اور چھوٹے موٹے کئی کام کر لیتی تھی۔ ناشتہ بنانے میں بھی ان کی مدد کر دیتی تھی مگر وہ بے چاری آج کل اپنے امتحانات کی تیاری میں جتی ہوئی تھی۔

ایف ایس سی کے پیپرز ہو رہے تھے۔ اسے اے پلس کے ساتھ یہ امتحان پاس کرنا تھا اور پھر انٹری ٹیسٹ کی تیاری اور پھر میڈیکل میں ایڈمیشن' ڈاکٹر بننا اس کا شوق یا خواب نہیں بلکہ جنون تھا' اس جنون کو پورا کرنے کے لیے وہ جنونیوں کی طرح ہی محنت کر رہی تھی۔

آج اس کا پیپر تھا' صبح فجر کی نماز پڑھ کر اپنا نصاب دہرانے بیٹھ گئی تھی' اب امی ہی زبردستی تھوڑا بہت ناشتہ کروا دیں تو کروا دیں ورنہ وہ اس ٹینشن بھرے زمانے کے دوران کھانے پینے سے بالکل بے نیاز سی ہو جاتی تھی۔ کچھ اترتا ہی نہیں تھا۔ حلق سے نیچے۔ بہن بھائی مذاق اڑاتے تو وہ ہنس کر ایک طرف ہو جاتی۔

نظر انداز کرنے کی پالیسی بہت سے معاملات میں کار آمد ثابت ہوتی ہے۔ اب وہ اپنے معمول کے مطابق صبح سے ہی پیپر کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ سنعیہ بھی اسی کی کلاس فیلو تھی مگر وہ اتنے تردد کی قائل نہیں تھی 'مناسب محنت کے بعد مناسب نمبر آجائیں' بس اسے یہی مناسب لگتا تھا۔

امی کی پے در پے آوازوں پر سونیا کتاب ہاتھ میں لیے لیے ہی ناشتے کی میز پر پہنچ گئی۔

"بیٹا! پہلے ناشتہ کرلو۔"

"امی! آپ کو معلوم تو ہے مجھ سے کچھ بھی نہیں کھایا جائے گا۔" وہ بے بسی سے ماں کو دیکھ کر بولی۔

"اف 'پیپر کی ٹینشن۔"

"تھوڑا سا کھالو' خالی پیٹ بھی گھر سے نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔" امی نے رسان سے کہتے ہوئے کچن کی راہ لی۔

سونیا کرسی پہ بیٹھ گئی اور کتاب کھول کر نظریں دوڑانے لگی۔ پرپا' فیضی کے ساتھ نکل گئی تھی۔ فیضی اسے 'اس کے اسکول چھوڑتا ہوا' یونی ورسٹی چلا جاتا تھا۔

سنعیہ اور سونیا نے بھی ناشتے سے فراغت حاصل کرلی تھی۔ اب کالج کی تیاری میں مصروف تھیں 'امی نے اپنے لیے چائے مگ میں نکالی اور ٹیبل پر آ بیٹھیں۔ سلائس کا کونا کترتے ہوئے وہ جانے کس سوچ میں گم تھیں کہ شوہر نامدار کے آنے کی بھی خبر ہی نہ ہوئی۔

"کیا بات ہے' آج آپ کے غریب مسکین خاوند کو ناشتہ ملے گا یا ایک گھنٹے بعد برنچ کرنا پڑے گا۔"

"ہائیں!" وہ اک دم ہڑبڑا گئیں۔ "آپ کب اٹھے؟"

"اٹھ بھی گیا' نہا دھو کر یہاں آ بھی گیا' آپ کو خبر ہی نہیں ہوئی۔" تازہ تازہ غسل کی بشاشت اور ازلی لاپروائی اور بے نیازی کی گواہ' وجیہ چہرے کی چمک لیے وہ بڑی شان سے مسکرا رہے تھے۔ سفید کرتا شلوار میں ملبوس 'بالوں کو سلیقے سے جمائے ہوئے' ایک بھینی بھینی مہک میں لپٹے عافیہ سکندر کے شوہر سکندر بخت' ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ ناشتے کی میز پر۔

ایک نظر انہوں نے اپنے نک سک سے تیار' خوشبوئیں بکھیرتے پیارے شوہر پر ڈالی اور دوسری نظر خود پر' اپنے سراپے پر' صبح ہی صبح اٹھ کر سیدھی کچن میں گھس گئی تھیں۔ رات بھر کے پہنے مسلے ہوئے' سلوٹ زدہ کپڑے' بالوں کو سمیٹ سمٹا کر کیچر لگا لیا تھا۔ منہ دھونے کا رسمی سا تکلف ہی کیا تھا۔

اس وقت وہ عموماً" اسی حلیے میں ہوتی تھیں اور بڑی آسودہ رہتی تھیں۔ سکندر بخت صاحب تو بڑے آرام سے اس وقت سو کر اٹھتے تھے جب وہ دوپہر کی ہنڈیا روٹی کر کے اسکول جانے کی تیاری میں مصروف ہوتی تھیں۔ شوہر صاحب بیدار ہو کر نہاتے دھوتے' تیار ہوتے اور بیگم کو ہرگز ہرگز بھی آوازیں نہ لگاتے' نہ زحمت دیتے۔ پکا ہوا کھانا اپنے لیے خود نکال لیتے اور جب تک وہ کھانا کھاتے اس دوران میں عافیہ سکندر چائے چڑھا دیتیں اور اپنی تیاری کرتے کرتے' چلتے پھرتے چائے کا کپ انہیں پکڑا دیتیں' کچھ سودا سلف یا کچھ اور سامان وغیرہ لانا ہو تو اس کی لسٹ اور پیسے بھی اسی وقت ہی دیتیں۔ کبھی کبھار ہی یہ کرشمہ ہوتا تھا کہ وہ جلدی بیدار ہو کر ناشتے کی میز پر۔ پہنچ جاتے آج اسی ان ہونی کا دن تھا۔

"کیا بات ہے' آج بھی آپ خیالوں میں گم ہیں۔ وہ جو خیالوں میں بستا ہے' مجسم آپ کے سامنے موجود ہے۔"

"ناشتہ لاؤں آپ کے لیے؟" وہ ہڑبڑا کر سنبھلتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ناشتے کا ہی ٹائم ہے غالباً"! سکندر بخت نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اٹھیں اور کچن میں جانے لگیں۔

"ارے اپنا ناشتہ تو پورا کرلیتیں یا میرے ساتھ کرنے کا ارادہ ہے؟" میاں صاحب نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"آرہی ہوں ابھی۔"